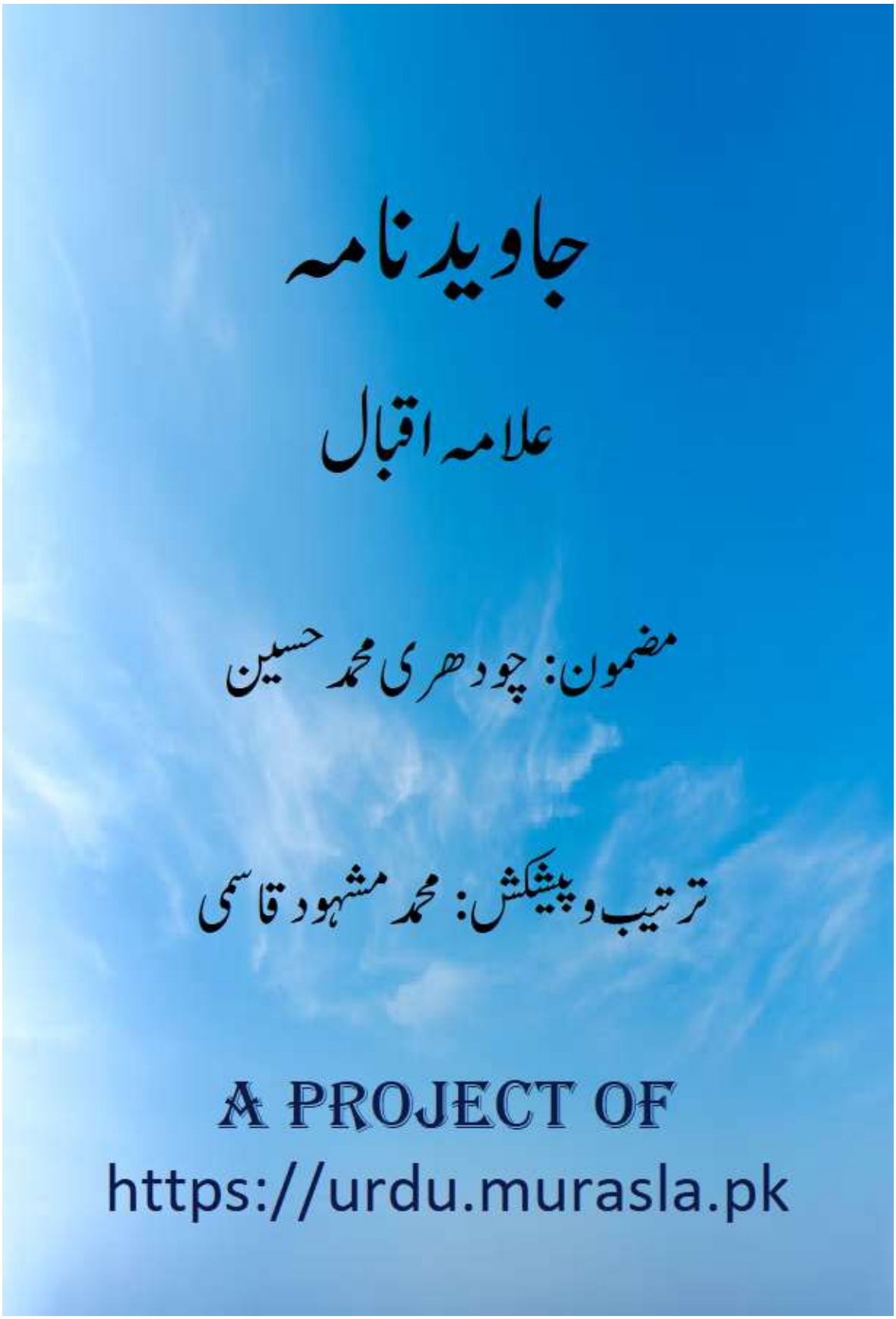
جاوید نامہ
علامہ اقبال
مضمون: چودھری محمد حسین
ترتیب و پیشکش: محمد مشہود قاسمی
A PROJECT OF
https://urdu.murasla.pk

جاوید نامہ

جاوید نامہ پہلی بار 1932ء میں منظرِ عام پر آئی تھی، اقبال کے اس شاہکار پہ گزرے ہوئے نوے برسوں میں بہت کچھ لکھا گیا اور ظاہر ہے کہ آئندہ بھی یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ جاوید نامہ پہ پہلا مضمون غالباً چودھری محمد حسین صاحب نے تحریر کیا تھا اور ہم نے یہی پڑھا ہے کہ انہیں علامہ اقبال کی رہنمائی حاصل تھی۔ علامہ اقبال کو بہت سے افراد اپنا رہنما مانتے ہوئے ان سے فرمائش کرتے تھے کہ بجائے فارسی کے آپ اردو میں اشعار کہئے تاکہ وہ فارسی سے نابلد کثیر تعداد کے حامل اردو بولنے اور سمجھنے والوں کیلئے علم و آگہی اور رہنمائی کا ذریعہ بن سکیں۔ علامہ اقبال نے اس کا جواب یہ دیا، " یہ اشعار مجھ پر فارسی زبان میں الہام ہوتے ہیں میری رُوح کی زبان فارسی ہے۔"

جاوید نامہ کی تمثیلی داستان کے اسرار و رموز بہت سے فارسی سمجھنے والوں کیلئے بھی آسان نہیں ہے، پیشِ خدمت ہے چودھری محمد حسین صاحب کا مضمون جو اس سلسلے میں بہت اچھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ خان بہادر چودھری محمد حسین 28 مارچ 1894ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور 12 جولائی 1950ء کو لاہور میں وفات پائی۔ وہ شاعر، ادیب، اور مقرر ہونے کے علاوہ اصول الفقہ پہ بھی عبور رکھتے تھے۔ وہ علامہ صاحب کے بااعتماد احباب میں سے تھے اور علامہ صاحب کے مشورے پر انہوں نے شاعری ترک کرنے کے بعد بہت سنجیدہ اور اہم نثری مضامین لکھے جن میں علامہ صاحب کے شعری مجموعات اسرارِ خودی، پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ اور ارمغانِ حجاز پر بھی مضامین شامل ہیں۔ علامہ اقبال نے انہیں اپنے بچوں جاوید اقبال اور منیرہ اقبال کا سرپرست بھی مقرر کیا تھا۔

جاوید نامہ پہ چودھری محمد حسین کا مضمون

بحوالہ: http://www.iqbalcyberlibrary.net/txt/563.txt

حضرت اقبال مدظلہ نے ۱۹۲۹ء کی ابتدا میں جاوید نامہ لکھنا شروع کیا۔ کم و بیش تین سال کے بعد یعنی اب ۱۹۳۲ء میں یہ کتاب چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

"جاوید نامہ" دراصل "معراج نامہ" ہے اسرار و حقائق معراج محمدؐ یہ پر کتاب لکھنے کا ایک مدت سے حضرت علامہ کا خیال تھا۔ کتاب کا نام بجائے "معراج نامہ" کے "جاوید نامہ" رکھنے کی محرک دو تین باتیں ہوئیں۔ اسلام کی بہت سی اور باتوں کی طرح مسلمانوں نے حقیقت معراج پر بھی بہت کم غور کیا ہے۔ دراصل "گلشن راز جدید" کی طرح علوم حاضرہ کی روشنی میں معراج کی شرح لکھ کر ایک

قسم کا ''معراج نامہ جدید'' لکھنے کا خیال تھا۔ یہ ''معراج نامہ'' بہت ممکن ہے عام شرحی انداز تحریر میں ہوتا اور اپنی موجودہ ''آسمانی'' ڈرامہ کی شکل اختیار نہ کرتا۔ لیکن اس اثناء میں اٹلی کے مشہور شاعر ڈینٹے کی کتاب ''ڈیوائن کامیڈی'' پر بعض نئی اور اہم تنقیدات یورپ میں شائع ہو چکی تھیں۔ جن میں اس حقیقت کو پایہ ثبوت تک پہنچایا گیا کہ ''ڈیوائن کامیڈی'' کے آسمانی ڈرامے کا تمام پلاٹ بلکہ اس کے بیشتر تفصیلی مناظر ان واقعات پر مبنی ہیں اور ان کی نقل ہیں جو اسلام میں معراج محمدؐ کے متعلق بعض احادیث و روایات میں مذکور ہوئے یا بعد میں بعض مشہور متصوفین و ادبا کی ان کتابوں میں درج ہوئے جن میں انہوں نے مختلف نکتہ ہائے خیال سے خود اپنے معراجوں کا ذکر کیا یا معراج نبوی کی شرح لکھی ایک حد تک اس واقعہ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ بجائے عام تشریحی انداز میں ''معراج نامہ'' لکھنے کے جو وسعت مضامین کے لحاظ سے یقیناً حقائق معراج کے مباحث ہی تک محدود رہتا۔ ڈینٹے کے انداز میں ادبی (عرفانی نہیں) نقطہ نگاہ سے ''معراج اقبال'' لکھا جائے جس میں قید مباحث سے آزادی ہو اور تخیل و ادراک تاویل و تفسیر کی محدود وسعتوں سے گذر کر فکر و بصیرت اور اختراع و الہام کی جن لامحدود فضاؤں تک پرواز کرنا چاہیں با آسانی کر سکیں۔ جاوید نامہ اور ''ڈیوائن کامیڈی'' یہ مرکب الفاظ ایک دوسرے کے مترادف نہیں (غالباً جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا ایسا ہونا ضروری تھا) تاہم بادی النظر میں ایک معنوی سی مناسبت دونوں ناموں میں موجود ہے۔ حضرت علامہ کے فرزند ارجمند عزیزی ''جاوید اقبال'' سلمہ کا نام بھی کسی حد تک ''جاوید نامہ'' ہونے کا ذمہ دار ہے، لیکن ان خاص معنوں میں ''جاوید نامہ'' کتاب کا وہ آخری حصہ ہے جو آسمانی ڈرامہ کے خاتمہ کے بعد بطور ضمیمہ آتا ہے اور جس کا نام ''خطاب بہ جاوید'' (سخنے بہ نژاد نو) ہے۔

''ڈیوائن کامیڈی'' کا نام ڈیوائن کامیڈی خود ڈینٹے کا تجویز کردہ نہیں۔ ڈینٹے نے اپنے آسمانی ڈرامے کا نام محض ''کامیڈیا'' رکھا تھا۔ لفظ ''ڈیوائن'' (پاک، الہیہ، آسمانی) کتاب کے نفس مضمون، اس کی خوبی، اس کی شہرت و ہر دلعزیزی کی بنا پر ڈینٹے کے قدر دانوں اور مداحوں کی طرف سے بعد میں زیادہ کیا گیا۔ ڈینٹے کی موت ۱۳۲۱ء میں واقع ہوئی۔ ''کامیڈیا'' کے جس سے پہلے ایڈیشن کا نام ''ڈیوائن کامیڈی'' رکھا گیا۔ وہ ۱۵۵۵ء میں چھپی۔ اگرچہ خود ڈینٹے کو ڈیوائن کہنا اس کے مداحین نے ۱۵۲۱ء ہی میں شروع کر دیا تھا۔ مشرق کے لوگ اگرچہ اب تک اس حقیقت سے بے خبر ہوں۔ اہل مغرب پر ہسپانیہ کے بعض مستشرقین کی جدید تحقیقات نے اب یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح کر دی ہے کہ ڈینٹے کی ''ڈیوائن کامیڈی'' کا ماخذ اولاً وہ احادیث نبوی ہیں جن میں معراج کی کیفیات (بعض صورتوں میں باختلاف تفصیلات) مروی ہیں۔ ثانیاً وہ کتب تصوف و ادب اسلامیہ جن میں اسرار معراج نبوی پر روشنی ڈالنے کے علاوہ بعض صورتوں میں مصنفین نے خود اپنی سیاحت علوی اور مشاہدۂ تجلیات کا ذکر کیا ہے۔ موخر الذکر میں محی الدین ابن عربی کی مشہور کتاب ''فتوحات مکیہ'' اور ابو العلا معری کی تصنیف ''رسالۃ الغفران'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں میڈرڈ

یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر آسن جو اس نہایت اہم انکشاف کے بانی ہوئے۔ اپنی معرکتہ الآرا کتاب ''اسلام اینڈ ڈیوائن کامیڈی'' میں لکھتے ہیں۔

''جب ڈینٹے الیفیری اپنی اس حیرت انگیز نظم کا تصور اپنے ذہن میں لایا اس سے کم از کم چھ سو سال قبل اسلام میں ایک مذہبی روایت موجود تھی جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مساکن حیات مابعد کی سیاحتوں پر مشتمل تھی۔ رفتہ رفتہ آٹھویں صدی سے لے کر تیرھویں صدی عیسوی کے اندر اندر مسلم محدثین، علمائ، مفسرین، صوفیہ، حکماء اور شعراسب نے مل کر اس روایت کو ایک مذہبی تاریخی حکایت کا لباس پہنا دیا۔ کبھی یہ روائتیں شروح معراج کی شکل میں دہرائی جاتیں۔ کبھی خود راویوں کی واردات کی صورت میں اور کبھی ادبی اتباعی تالیفات کے انداز میں۔ ان تمام روایات کو ایک جگہ رکھ کر اگر ''ڈیوائن کامیڈی'' سے مقابلہ کیا جائے تو مشابہت کے بیشمار مقامات خود بخود سامنے آجائیں گے۔ بلکہ کئی جگہ بہشت و دوزخ کے عام خاکوں ان کے منازل و مدارج، تذکرہائے سزا و جزا، مشاہدہ مناظر، انداز حرکات و سکنات افراد، واردات و واقعات سفر رموز و کنایات دلیل راہ کے فرائض اور اعلیٰ ادبی خوبیوں میں مطابقت نامہ نظر آئے گی۔''

پروفیسر آسن نے احادیث معراج کو باعتبار اسناد تین زبانوں میں تقسیم کر کے ہر زمانہ کی روایت کے تفصیلی اختلاف کو قصہ معراج کے ارتقا کا موجب قرار دیا ہے لیکن اس امر کو ذکر کر کے کہ رسول عربؐ سے پہلے بھی بعض پیغمبروں کے متعلق معراج کی روائتیں موجود تھیں بلکہ اردو اویراف کی ایرانی بہشت کی سیر کے قدیم افسانے بھی ذکر ہوتے تھے۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ ''ان سیاحتوں اور معراجوں میں کوئی بھی اتنا واضح، وسیع اور مکمل نہ تھا جس قدر کہ اسلامی روائت اپنے لٹریچر میں رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ اسلامی روایت ہر عالم و جاہل مسلمان کے دل میں گھر کر چکی تھی اور اس کو صحیح تسلیم کرنا ان کے ایمان کا جزو تھا۔ آج اس وقت بھی تمام اسلامی دنیا میں معراج پیغمبر کا دن مذہبی تیوہار کا دن سمجھا جاتا ہے اور ٹرکی، مصر، مراکش جیسے اسلامی ممالک میں اس روز قومی تعطیل منائی جاتی ہے۔ اسی سے واضح ہے کہ پیغمبر (علیہ السلام) کی معراج کے واقعہ میں مسلمانوں کا عقیدہ کس قدر راسخ ہے۔''

پروفیسر آسن نے اگر خود اسلامی دنیا کی سیر کی ہوتی اور مسلمانوں کی ہر زبان کے لٹریچر کو بہ نظر غائر دیکھا ہوتا تو اس کو معلوم ہوتا کہ معراج پیغمبرؐ کی روایت کا مسلمانوں کے عقیدہ اور تصور پر اتنا تسلط ہے کہ کوئی زبان دنیا میں ایسی نہ ہوگی جسے عام طور پر مسلمان بولتے ہوں اور اس میں ''معراج نامہ'' موجود نہ ہو بلکہ سچ پوچھو تو مسئلہ معراج مسلمانوں کی سیاسیات پر بھی اثر انداز ہوا۔ معراج جسمانی تھی یا روحانی اس اختلاف پر لڑائیوں تک نوبت پہنچی۔

روایت معراج کے مختلف پہلو:

معراج کا مذہبی اور علمی پہلو تو وہی ہے جسے مشاہدۂ تجلی ذات (یعنی Direct Vision) کہنا چاہیے۔ اور جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا۔

دوسرا پہلو وہ ہے جس تصوف کا پہلو کہنا چاہئے۔ صوفیہ کا معراج بھی دراصل ایک قسم کا علمی اور مذہبی پہلو رکھتا ہے۔ مختلف صوفیہ نے مختلف رنگوں میں تجلی ذات کے مشاہدہ کا ذکر کیا ہے۔ تصوف ان طریقوں کے نام ہے جن سے براہ راست معرفت ذات باری کے حصول کی کوشش کی جاتی ہے اور جو لوگ ان طریقوں کے اختیار میں تجلی ذات کے پرتو سے بہرہ یاب ہوئے انہوں نے بعض اوقات اس حصول مقصد کو معراج سے تعبیر کیا۔ اغاظم صوفیہ میں حضرت بایزید بسطامی اور محی الدین ابن عربی کا معراج عام مشہور ہے حضرت بایزید بسطامی کے معراج کے کیفیات تو شاید قلمبند ہی نہ ہوئیں۔ لیکن محی الدین ابن عربی نے "فتوحات مکیہ" میں اپنے معراج پر دفتر کے دفتر لکھے ہیں اور سیاحت علوی میں دو افراد کو اپنا راہنما اور ساتھی بنا کر جن میں سے ایک فلسفی ہے اور دوسرا عالم دین۔ ان کی زبان سے تمام دنیا جہان کے علوم وفنون اور مسائل ومباحث کے متعلق اس انداز میں اظہار خیالات فرمایا ہے کہ گویا یہ سب خیالات وہ انکشافات والہامات ہیں جو ان کے قلب پر معراج میں وارد ہوئے۔ خالص عرفانی ہونے کی بجائے محی الدین ابن عربی کا معراج زیادہ تر مذہبی ہے۔ سیاحت آسمان اور مشاہدۂ ذات کے حقائق بے حد تفصیلات سے دیئے ہیں تاہم مذہبی اور اخلاقی مباحث میں جس قدر توجہ صرف ہوئی ہے وہ عرفانی مباحث کی صورت میں نہیں۔ منازل، مناظر، واقعات، کیفیات، مشاہدات کم و بیش ایسی ترتیب میں ہیں جس میں معراج پیغمبر۔ تاہم تفصیلات وتصریحات نے تصویر کو اس کامل صورت میں پیش کیا ہے کہ ڈینٹے کے نقاد کو "ڈیوائن کامیڈی" کا تمام نقشہ "فتوحات مکیہ" کے انہیں ابواب کا چربہ نظر آتا ہے جس میں معراج کا ذکر ہے۔

معراج کا تیسرا پہلو خالص ادبی (Literary) اور آرٹسٹک (Artistic) ہے۔ ادبی پہلو ضروری نہیں کہ اخلاق اور مذہب کی جھلک سے بالکل معرا ہو۔ مشہور عربی نابینا ابو العلا معری کا رسالہ "الغفران" اسی ادبی پہلو کا حامل ہے یہ رسالہ ابو العلا معری نے اپنے ایک شاعر اور ادیب دوست ابو القارح حلبی کے ایک خط کے جواب میں رقم کیا جس میں ابو القارح نے باوجود ابو العلا کا مداح ہونے کے اس پر طنز کے پیرایہ میں ان شعرا اور ادباء کو مور وعتاب آگہی قرار دیا تھا جنہوں نے گنہگاری کی زندگی بسر کی ہو۔ ابو العلا نے رسالتہ الغفران میں ادبی رنگ میں اپنی بہشت دوزخ کی سیر دکھائی اور وسعت رحمت ذات کو واضح کرنے کے لئے کئی بدکاروں، گنہگاروں اور جاہلیت کے شعرا کو جنہوں نے بالآخر مرنے سے پہلے توبہ کرلی تھی غفران ورحمت کا سزاوار ہوتے اور جنت میں داخل ہوتے دکھایا۔ پروفیسر آسن کا خیال ہے کہ "ڈیوائن کامیڈی" کی بعض ادبی خوبیاں "رسالۃ الغفران" کے خصوصیات کی شرمندہ احسان بھی ہیں۔ رسالتہ الغفران میں نہ صرف بعض قدیم وہمعصر شعراء وغیرہ کے کلام پر تنقید ہے۔ بلکہ علمائے لغت وغیرہ سے ملاقات کے دوران میں بعض لغوی مسائل پر بحثیں بھی ہیں۔

اسی طرح شہر زوری کا ایک قصیدہ سفر روح کے متعلق ہے جس کو ابن خلکان نے نقل کیا ہے اور وسٹن فیڈ نے ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔

ممکن ہے اسلامی لٹریچر میں اور بھی کئی کتابیں ایسی ہوں جنہیں معراج کے عرفانی اور ادبی پہلوؤں کے نمونے کہا جاسکے لیکن اس کے متعلق تحقیق کی ضرورت ہے۔ یوں معراج نبوی کے اسرار و حقائق کا تذکرہ اسلامی لٹریچر میں قریباً ہر بڑے مصنف کی کسی نہ کسی تصنیف میں ملے گا۔ اسلامی مصنفات پر ایک زمانہ میں یہ رنگ بھی غالب رہا ہے کہ حمد باری تعالیٰ کے بعد جب نعت پیغمبر لکھنے پر مصنف یا شاعر آیا تو اس نے معراج رسول اللہ پر علیحدہ مستقل باب لکھا۔ نظامی کا "پنج گنج" اٹھا کر دیکھئے قریباً ہر کتاب میں یہ خصوصیت ملے گی۔

مغرب میں معراج کی روایت:

پروفیسر آسن کی تحقیق کے مطابق معراج کی روایت مغرب میں ہسپانوی علما و صوفیائے اسلام کے ذریعہ پہنچی۔ ڈینٹے کی "ڈیوائن کامیڈی" کو معراج کے ادبی پہلو کا دوسرا بڑا نمونہ کہنا چاہیے۔ یہ امر جیسا کہ ادھر ذکر ہوا متحقق ہے کہ ڈینٹے نے محی الدین ابن عربی کی کتاب "فتوحات" سے بہشت و دوزخ و اعراف اور ان کی تمام منازل و مناظر کو نقل کیا۔ اسی طرح تمام علوم مروجہ پر اپنی سیر کے دوران میں بحثیں کیں۔ البتہ سیاسی اور تاریخی واقعات وغیرہ کی بحث سے اپنی کتاب کی خوبیوں کو بڑھایا اور اپنے ماخذوں کا ذکر نہ کر کے ایک آنے والے طویل زمانہ یورپ پر اپنی شاعرانہ و حکیمانہ خوبیوں کا سکہ بٹھالیا۔ "فتوحات" اور "ڈیوائن کامیڈی" کا مقابلہ اس مضمون کو غیر متعلق اور طویل مباحث میں لے جائیگا۔ ورنہ بتایا جاسکتا تھا کہ جو لوگ مغرب میں بڑے بڑے ادبی، علمی اور سیاسی انقلابات پیدا کر گئے۔ وہ اسلامی علوم و تہذیب سے کس قدر خوشہ چینی کے بعد اس قابل ہوئے۔

جاوید نامہ۔۔۔۔ روایت معراج کا تیسرا ادبی نمونہ:

اسلامی روایت معراج کے دنیا میں مشہور ہونے سے چھ سو سال بعد ڈینٹے نے اپنے تخیلی معراج کے مشاہدات کی صورت میں اس زمانہ کے علوم و فنون پر تبصرہ۔ مغربی عیسائی اقوام کی مذہبی اور اخلاقی کمزوریوں پر جرح اور سیاسیات یورپ کے صحیح کوائف کا وہ مرقع اہل مغرب کے سامنے کھینچا کہ نصف ربع مسکون کی اس وقت کی نسلوں کے دل و دماغ، اخلاق و عادات اور احساس و شعور حیات میں وہ ہیجان رونما ہوا۔ جو تھوڑا ہی عرصہ بعد یورپ کی عام علمی و سیاسی نشاۃ ثانیہ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ڈینٹے کی موت سے تقریباً پورے چھ سو سال کے بعد اقبال کا "جاوید نامہ" اہل مشرق کے سامنے حال کی تقیضات و ترقیات کو مد نظر رکھتے ہوئے قریباً انہیں مباحث و مقاصد کو پیش کر کے اس حصہ دنیا میں ویسے ہی انقلابات کا پیش خیمہ ہونے والا ہے۔ "جاوید نامہ" کو ہم روائت اسلام معراج کا تیسرا اہم ادبی نمونہ کہیں گے ممکن ہے اسے چھ سو سال کے عرصہ میں کسی اور مسلم صوفی یا شاعر نے بھی اس موضوع پر

کچھ لکھا ہو۔ لیکن جہاں تک ہم کوشش کر سکے ہیں عام ''معراج ناموں'' کے سوائے جن کی حیثیت قصے کہانیوں سے زیادہ نہیں کوئی قابل ذکر تصنیف اس مبحث پر دستیاب نہیں ہو سکی۔

معراج نبوی۔ فتوحات مکیہ اور ڈیوائن کامیڈی:

''فتوحات'' اور ڈینٹے کے آسمانی ڈرامے میں جو عام مماثلت ہے اس پر اب کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ دونوں تصانیف میں جس خاص فرق کی طرف یہاں اشارہ کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ''فتوحات'' کا مصنف خود صوفی اور صاحب حال تھا۔ اس کی تصنیف اس کے اپنے مکاشفات وواردات اور روحانی و عرفانی تصرفات کا آئینہ ہے۔ اس کی بناء محض تخیل یا آرٹ نہیں۔ ڈینٹے نے ''فتوحات'' کی پیش کردہ تصویر کے قریباً ہر خط و خال کو اپنے موقلم کی گنارش کی صورت میں پیش کیا۔ لیکن یہ کارنامہ ایک بہترین ادبی تصنیف کے رتبہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ باقی یہ امر کہ بلحاظ نتائج اس کی خوبیاں بعض مقاصد میں بنی نوع کے ایک کثیر گروہ کے دل و دماغ پر ''فتوحات'' کی نسبت زیادہ دور رس اثر ڈال گئیں۔ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی حیات مابعد الموت کی حقیقتوں کے تجسس میں ابن عربی اور ڈینٹے دونوں نے سات ستاروں (بعض صورتوں میں نو) کی سیر سے گذر کر بہشت و دوزخ اور اعراف کی فضاؤں کے نقشے کھینچے ہیں اور اصلاً ان کو اسی طرح تصور کیا ہے جس طرح وہ احادیث نبوی میں بیان ہوئے۔ سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ معراج نبی میں اقصیٰ سے لے کر حدود آسمان سے پار جانے تک میں کسی درمیانی فلک یا ستارہ کا ذکر نہیں۔ البتہ بعض احادیث میں واپسی کے موقعہ پر بعض ستاروں کی سیر کا ذکر ہے۔ معراج نبوی کا عام ذکر لکھنے والے مدارج عروج ہی میں سیر سیارگان کو لے آتے ہیں۔ مگر یہ قصے زیادہ تر کمزور احادیث پر مبنی ہیں۔ یا ان کا ماخذ محی الدین ابن عربی کی ''فتوحات'' ہوتی ہے۔

فتوحات۔ ڈیوائن کامیڈی اور جاوید نامہ:-

''جاوید نامہ'' کو ''ڈیوائن کامیڈی'' اور ''فتوحات'' سے دو باتیں ممیز کرنے والی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس میں وہ تمثیلی مظاہرات و معمات (Symbolism) ناپید ہیں۔ جو ان میں ہر مقام پر ملتے ہیں اور جن کی وجہ سے آج تک ان کے بعض مباحث عقیدۂ لاینحل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ دوسری یہ کہ اقبال نے زیادہ تر سیارگان (وہ بھی سات نہیں بلکہ چھ) کی سیاحت پر اکتفا کی ہے۔ دوزخ و اعراف کے نزدیک تک نہیں گیا۔ بجائے ساتویں ستارہ میں پہنچنے کے ''آنسوئے افلاک'' جا نکلا ہے اور یہ غالباً اس لئے کہ ''جنت'' اور ''حضور'' و ''تجلی'' کے نئے تصورات اور نئے مقاصد و معانی دنیا کے سامنے رکھنے مطلوب تھے۔ ''ندائے جمال'' کی سماعت کا شوق بھی کچھ کم کشش کا باعث نہ تھا۔ ''کلیم الٰہی'' مشکل تھی لیکن ''سمیع الٰہی'' میں کیا باک ہو سکتا تھا۔

جن لوگوں کو واصل جہنم دکھانے کی ضرورت تھی ان کو ''فلک زحل'' کے ایک قلزم خونیں میں مبتلائے عذاب دکھادیا ہے اور وہ ایسے لوگ نہیں جو خالص مذہبی یا اخلاقی نقطہ خیال سے مجرم و گنہگار ہوں۔ بلکہ وہ ایسی ارواح رذیلہ ہیں جو ملک و ملت سے غداری کی مرتکب ہوئیں اور جن کو دوزخ نے بھی اپنے اندر لینا قبول نہ کیا۔

''فتوحات'' اور ''ڈیوائن کامیڈی'' حیات بعد الموت کے حقائق و کیفیات کی کنہ معلوم کرنے کی مساعی ہیں۔ معنوی اعتبار سے دونوں جدا ہیں۔ ایک عام طور پر عرفانی مشاہدات کی حامل، دوسری علمی ادبی اور سیاسی نکات پر زیادہ حاوی۔ افراد کے اذہان و اخلاق کی شائستگی دونوں کا نصب العین ہے۔ تاہم ''صوفی'' اور ''ڈرامانویس'' اپنی توجہ مختلف مقاصد کے پیش نظر رکھ کر حیات مابعد پر ہی مرکوز رکھتے ہیں اقبال کہ حیات مابعد (آخرت) کا مسئلہ بوجہ ایک مسلم عالم و حکیم ہونے کے اس کے لئے بہت پیش پا افتادہ ہو چکا ہے۔ اپنی زیادہ تر توجہ حیات حاضرہ یا حیات مطلق یا بالفاظ دیگر بقائے حیات انسانی کے مسئلہ پر صرف کرتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ بات اس قدر اہم نہیں کہ مرنے کے بعد بہشت و دوزخ یا اعراف میں انسانوں کی زندگی کیسی ہو گی۔ جس بات نے اس کو تمام عمر پیچ و اضطراب میں رکھا ہے وہ یہی موجودہ حیات انسانی ہے جو اقوام مشرق کے لئے بوجہ ان سیاسی و اقتصادی پستی کی موت سے بدتر ہو چکی ہے اور جس کے پاکیزہ ارتقا کی ضرورتوں سے اہل مغرب بوجہ اپنے مذہبی روحانی اور اخلاقی انحطاط و تنزل کے غافل ہو چکے ہیں اور وہ وقت قریب ہے کہ اسے ایک ایسی دنیاوی قیامت سے بہت جلد دوچار ہونا پڑے جو مشرق و مغرب دونوں کی موجودہ نسلوں کو تباہ و ہلاک کر کے تمام دنیا میں ایک ہموار نسل اور ایک اہم مقصد واحد قوم کے ظہور و فروغ کے لئے میدان صاف کر جائے۔ بقاو دوام حیات انسانی کے مباحث بھی اشارہ کرتے ہیں کہ اقبال نے اس تصنیف کا نام ''جاوید نامہ'' کیوں رکھا۔

احادیث معراج، فتوحات مکیہ، ''ڈیوائن کامیڈی'' اور ''جاوید نامہ'' اگر پہلو بہ پہلو بہ نظر امعان مطالعہ کئے جائیں تو شاید وہ تمام فرق مراتب سامنے آجائے جس سے نبی، ولی، شاعر، فلسفی اور فلسفی شاعر کو متمیز کیا جاسکتا ہے۔

جاوید نامہ کے بعض اہم مباحث:

پیشتر اس کے کہ مختصراً ''جاوید نامہ'' کے بعض اہم مباحث کا ذکر کیا جائے۔ کتاب کے دیباچہ کا جو صرف دو اشعار پر مشتمل ہے یہاں نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ اس سے شاید انسانی زندگی کا وہ نصب العین قارئین کے سامنے آجائے جس کے مطابق شاعر یہ سمجھتا ہے کہ منزل آخرت میں قدم رکھنے سے پیشتر ممکن ہے حیات انسانی ابھی زمین کی طرح اور ستاروں کو بھی آباد کرے یا ان کے آباد کر چکنے کے بعد دوام ابد کی طرف انتقال سے پہلے اس زمینی ستارہ میں بطور آخری منزل کے وارد ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ خیال موجودہ سائنس کے ان انکشافات پر مبنی ہے جس کے مطابق مریخ وغیرہ ستاروں میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ دیباچہ میں صرف یہ دو شعر ہیں:

خیال من بتماشائے آسماں بود است

بدوش ماہ و بآغوش کہکشاں بود است

گماں مبر کہ ہمیں خاکداں نشیمن ماست

کہ ہر ستارۂ جہاں است یا جہاں بود است

چونکہ خود احادیث معراج میں بعض اجرام سماوی کے اندر حیات انسانی کا ممکن ہونا ان ملاقاتوں کی وجہ سے پایا جاتا ہے۔ جو پیغمبر خدا نے معراج سے واپسی کے وقت مختلف انبیا کرام سے کیں۔ اس لئے شاعر کا یہ تخیل محض سائنس کے تصورات پر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ خود محی الدین ابن عربی نے بہشت و دوزخ سے پہلے سیارگان کی سیاحت اپنے ان مکاشفات میں کی جو انہیں مکہ معظمہ کے دوران قیام میں حاصل ہوئے اور جن کو ''فتوحات مکیہ'' کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ پیغمبرؐ خداؐ کی معراج کے سلسلہ میں بجائے سیارگان کے ''افلاک'' کا ذکر ہے۔ اقبال نے غالباً اسی نکتہ کو ملحوظ رکھ کر جاوید نامہ میں قمر و عطارد و مشتری وغیرہ کو ''فلک'' کا نام دیا ہے۔

مناجات اور ''اقبالی شکوے'':

کتاب ''مناجات'' سے شروع ہوتی ہے لیکن ایسی مناجات کہ اقبال ہی کی زبان سے ادا ہو سکتی تھی۔ حقائق حیات کے متعلق مستفسرانہ انداز میں ذات باری کو مخاطب کرنا جیسا اقبال کو آیا شاید اولیائے خاص کو بھی نصیب نہ ہوا ہو گا۔ ہر شعر ہر مصرع تعلق ولایت پر دال ہے نا ممکن ہے کہ شکوہ کا مصنف شکوہ کے اعادہ سے تھک جائے۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب تک اپنے مقاصد کو حاصل نہ کر لے گا خدا کا دامن نہ چھوڑے گا۔ مشہور اقبالی شکوے اس مناجات میں آ گئے ہیں۔

''جہان ہفت رنگ'' میں آدمی کی ''ہم نفس'' سے محرومی سب سے پہلی شکایت ہے۔ یہ موجودہ جہان اس کو راس نہیں آیا۔

آرزوئے ہم نفس می سوزدش

نالہ ہائے دلنواز آموزدش

لیکن ایں عالم کہ از آب و گل است

کے تواں گفتن کہ دارائے دل است

یہ ''لیل و نہار'' کی دنیا پسند نہیں۔ اس کے متعلق پہلے طعنہ دیا تھا کہ

ایں چہ حیرت خانہ امروز و فردا ساختی

اب مناجاتی التجائیں ہیں کہ اس ''جہان چار سو'' کی بجائے جس کا وجود ایک دوسرے سیارہ کے وجود کا محتاج ہے وہ جہاں عطا کی جس پر ''رفت بود'' کا اطلاق نہ ہو۔

اے خوش آں روزے کہ از ایام نیست
صبح اورا نیم روز و شام نیست
اے خدا روزی کن آں روزے مرا
دار ہاں زیں روز بے سوزے مرا

گویا اس مکانی "وقت" سے دل بیزار ہے اور اس نئی قسم کے "روز" کا متمنی ہے جس کی شان یہ ہو۔

روشن از نورش اگر گردد رواں
صورت راچوں رنگ دیدان می تواں
غیبہا از تاب او گردد حضور
نوبت اولا یزال و بے مرور!

پھر سب سے بڑا شکوہ ہے کہ جس ہستی کی شان میں آیتہ تسخیر نازل کی۔ جس کے دید کا متوالا سپہر نیلگوں کو بنایا جسے راز دان "علم الاسمائ" کیا۔ گویا تمام عالم سے جس کو برگزیدہ کر کے اپنے راز دروں کا محرک تک بنایا کہ ہر چیز مجھ سے مانگ۔ اسی سے خود اپنی ذات کو حجاب میں رکھا۔ مشاہدہ تجلی ذات کی عاشقانہ بیتابی کا اس سے بڑھ کر مظاہرہ کیا ہو گا۔

اے ترا تیرے کہ مارا سینہ سفت
حرف ادعونی کہ گفت و با کہ گفت؟
روے تو ایمان من قرآن من
جلوۂ داری دریغ از جان من؟
از زیان صد شعاع آفتاب
کم نمی گردد متاع آفتاب

علم و عقل کی نعمتیں کافی ہیں۔ جس چیز کی طلب اور آرزو ہے اور وہ ملتی نہیں وہ وید ذات ہے۔

بے تجلی زندگی رنجوری است
عقل مہجوری و دیں است

عقل و دین اور معرفت یا مشاہدہ ذات کے فلسفوں اور بحثوں میں پڑنے کا یہ مقام نہیں مضمون کے طویل ہو جانے کا ڈر ہے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ حصول معرفت (Religious Experience) جس کا بار بار ذکر حضرت علامہ کے کلام میں آتا ہے۔ اس

وقت فلسفہ نفسیات کا ایک اہم مبحث ہے جس پر اعلیٰ پایہ کے محققین کی توجہ مبذول ہو رہی ہے اور جو ممکن ہے کہ عام تجربہ اور مشاہدہ کی طرح ایک دن علم حقہ کے حصول کا عام ذریعہ بن جائے۔

حصول ابدیت کی آرزو کو پھر ایک دفعہ دہرایا ہے اور کہا ہے۔

آنیم من جاودانی کن مرا

از زمینی آسمانی کن مرا

اور اخیر میں ذاتی التجاؤں کو چھوڑ کر پھر وہی تقاضے آ گئے کہ وہ ہم نفس عطا کر جن میں زندگی کا وہی شرار پیدا ہو جو مجھ میں ہے۔ جو میرے طوفان میں اس طرح لپیٹے جائیں کہ پھر میری حدود سے باہر نہ نکل سکیں۔

بحرم واز من کم آشوبی خطا است

آں کہ در قعرم فرو آید کجا است؟

پرانی نسل سے قطعی ناامیدی ہے۔ آئندہ نسلوں کو آغوش میں لینے کی تمنا کے ساتھ اس دعا پر مناجات کو ختم کیا ہے کہ الٰہی عہد حاضر کے نوجوان میری باتوں کو سمجھیں۔

من کہ نومیدم ز پیران کہن

دارم از روزے کہ می آید سخن!

بر جواناں سہل کن حرف مرا

بہر شاں پایاب کن ژرف مرا

☆☆☆

تمہید آسمانی:

مناجات کے بعد ''تمہید آسمانی'' میں آسمان کی زبان سے زمین کو طعنہ دیا ہے۔

خاک اگر دیدند شد جز خاک نیست

روشن دہاہندہ چوں افلاک نیست

اس طعنہ کو سن کر زمین خجل ہوئی جاتی ہے اور اپنے ''درد بے نوائی'' کا شکوہ خدا کے سامنے پیش کرتی تھی کہ ''ز آنسوئے گردوں'' تسلی کی یہ ندا آئی۔

اسے امینے از امانت بے خبر

غم مخور، اندر ضمیر خود نگر
شستہ از لوح جاں نقش امید؟
نور جاں از خاک تو آید پدید!
عقل آدم بر جہاں شبخوں زند
عشق ادبر لامکاں شبخوں زند

تمہید زمینی:

''تمہید آسمانی'' کے بعد ''تمہید زمینی'' آتی ہے۔ نظم کا یہ حصہ خاص طور پر اہم ہے۔ اس میں سیاحت سماوی کا آغاز ہوتا ہے۔ سرسری نظر سے دیکھنے والے کو خیال ہو گا کہ ''تمہید زمینی'' پہلے اور ''تمہید آسمانی'' بعد میں ہونی چاہیے تھی لیکن چونکہ ایک ''زمینی'' آسمان کی تسخیر کو روانہ ہونے والا تھا۔ اس لئے آسمان کی زبان سے پہلے زمین کو طعنہ دلا دیا۔ اور پھر اس کے بعد اس کی تسخیر پر کمر باندھی۔

''تمہید زمینی'' کے اخیر پر مولانا روم کی زبان سے جو میر افلاس میں شاعر کے راہنما بنے ہیں۔ اسرار معراج نبوی کی شرح کی گئی ہے۔ معراج کے جسمانی یا روحانی ہونے کا مسئلہ ابتدا ہی سے مابہ النزاع چلا آتا ہے۔ اقبال نے اس کی تشریح ایک خاص ندرت سے کی ہے۔

آسمانی سیر کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ شاعر ''تشنہ'' اور ''دور از کنار چشمہ سار'' مولانا روم کی ایک غزل بے اختیار گانے لگتا ہے۔ جس کے مفصلہ ذیل دو اشعار ''اسرار خودی'' کے سب سے پہلے ایڈیشن کے سرورق کے اندر کی طرف چھپے تھے اور جن کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک طرح فلسفہ خودی کی ضرورت کی تائید کے لئے کتاب ''خودی'' کی بسم اللہ سے پہلے چھاپا گیا۔

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دیو دور ملزم و انسانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

اس اثنا میں شام ہو جاتی ہے آفتاب غروب ہو جاتا ہے لیکن شام متاع آفتاب سے ایک ''پارہ'' اڑا کر اسے کوکب کی صورت میں افق پر نمایاں کرتی ہے کہ اتنے میں

روح رومی پردہ ہا را بر درید
از پس کہ پارہ آمد پدید!

شاعر اس کی طلعت درخشندہ اور پیکر روشن سے کچھ عرصہ دنگ رہنے کے بعد اپنے فلسفیانہ سوالات اس پر کرتا ہے کہ ''موجود'' و'' ناموجود'' کیا ہے ''محمود'' و''نامحمود'' کے کیا معنی ہیں۔ جب اپنے جوابات کے دوران میں مولانا روم کی روح اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ

بر مقام خود رسیدن زندگی است
ذات را بے پردہ دیدن زندگی است
مرد مومن در نساز و با صفات
مصطفیٰ راضی نہ شد الا بذات

شاعر کی روح پھڑک اٹھتی ہے۔ دید ذات کا شوق مضطرب کرتا ہے۔ سوال ہوتا ہے کہ ذات تک رسائی کیسے ہو؟

باز گفتم پیش حق رفتن چاں؟
کوہ و خاک و آب را گفتن چاں

جواب کیا ملا؟۔۔ جس طرح ایک ''پیدائش'' سے آدمی دنیا میں آتا ہے۔ اسی طرح ایک اور ''پیدائش'' سے باہر بھی جا سکتا ہے:

گفت اگر ''سلطاں'' ترا آید بدست
می تواں افلاک را از ہم شکست
نکتہ ''الا بسلطان'' یاد گیر
ورنہ چوں مور و ملخ در گل بمیر
از طریق زادن اے مرد نکوے
آمدی اندر جہان چار سوے
ہم بروں جستن بزادن می تواں
بندہا از خود کشادن می تواں

سوال و جواب کا سلسلہ آگے چلتا ہے۔ مولانا روم اس نئے ''زاون'' کی تشریح فرماتے ہیں عشق کی قوت و برہان مبین کے کرشموں کا ذکر ہوتا ہے۔ مکان و زمان پر قابو پانے کے طریق بتائے جاتے ہیں۔ ''نہ آسمان'' اور ''فراخاے جہان'' کے خوف سے بے نیاز ہو جانے کی تلقین کی جاتی ہے زمان و مکان کی حقیقت بتائی جاتی ہے کہ

ایں دو یک حال است از احوال جاں

جان و تن کے صحیح تعلق کا راز بتایا جاتا ہے اور ان تمام مقدمات کے بعد اخیر کے چند اشعار میں جو سوال و جواب ہوتے ہیں ان میں معراج کا نکتہ خود بخود واضح ہو کر پیش نظر آجاتا ہے۔

چیست جاں؟ جذب و سرود و سوز و درد
ذوق تسخیر سپہر گرد گرد!
چیست تن؟ بارنگ و بو خو کردن است
با مقام چار سو خو کردن است
از شعور است ایں کہ گوئی نرد و دور
چیست معراج، انقلاب اندر شعور
انقلاب اندر شعور از جذب و شوق
دار ہاند جذب و شوق از تحت و فوق
این بدن ہا جان ما انباز نیست
مشت خاکے مانع پرواز نیست

اس مکالمہ کے بعد شاعر کے تن کا ہر ذرہ پرواز افلاک کے لیے سیماب کی طرح بے تاب ہو جاتا ہے زمان و مکان کی روح جس کا نام شاعر نے "زردان" رکھا ہے۔ ایک بادل کے پردے سے فرشتے کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور اس کو کہتی ہے کہ میں "زردان" ہوں۔ تمام جہان زمین و آسمان پر میری قاہری کا تسلط ہے۔

نظم کے اس حصہ میں شاعر نے زمان و مکان کے موجودہ تخیلات اور ان کی اس حقیقت پر جو قرآنی آیات اور احادیث سے پیدا ہے عجب شاعرانہ و فلسفیانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

محی الدین ابن عربی اور ڈینٹے دونوں کا آغاز سیاحت ایک پہاڑ کے قرب سے ہوا۔ اتفاق ہے کہ اقبال کے سامنے بھی روح رومی ایک پہاڑ کے عقب ہی سے نمودار ہوتی ہے۔

فلک قمر:

اس کے بعد معراج کا فلسفہ نہیں بلکہ خود شاعر کا اپنا معراج شروع ہوتا ہے فلک قمر سب سے پہلے آتا ہے۔ رومیاس دنیا کے ہولناک کہسار شاعر کو دکھاتا ہے۔ کچھ دور دونوں جاتے ہیں تو قمر کے ایک غار میں سب سے پہلا ہندوستان کا ایک قدیم عارف ملتا ہے جسے اہل ہند "جہاں دوست" کے نام سے پکارتے ہیں۔ جہاں دوست "وشوامتر" کا ترجمہ ہے۔ "وشوامتر" "رام" کا استاد تھا۔ اثنائے گفتگو

میں ''جہاں دوست'' مولانا روم سے سوالات کرتا ہے کہ عالم کیا ہے۔ آدم کیا ہے، حق کیا ہے، رومی دو شعروں میں نہ صرف عالم و آدم اور حق کا کنہ بتا جاتا ہے بلکہ ''عالم'' و ''حق'' کے متعلق شرق و غرب کے رجحانات کی حقیقت بھی کھول کر رکھ دیتا ہے۔

آدمی شمشیر و حق شمشیر زن
عالم ایں شمشیر را سنگ فسن
شرق حق را دید و عالم را نہ دید
عرب در عالم خزید، از حق امید

جہاں دوست ان حقائق کو تسلیم کرتا ہے۔ مانتا ہے کہ مشرق وجود و عدم کے مسائل میں آج تک پھنسا رہا۔ لیکن وہ اس کے مستقبل سے ناامید نہیں۔ بتاتا ہے کہ کل قشمرود (فلک قمر کا ایک پہاڑ) کی چوٹیوں پر ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا۔ اس کی نگاہ سے ذوق دیدار ٹپکتا تھا اور وہ نگاہ صرف ہمارے خاکدان (مشرق) پر بندھی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا کہ اس ''خاک خموش'' میں تجھ کو اب کیا نظر آتا ہے۔ کہیں پھر کسی زہرہ کے جمال پر تو نظر نہیں۔ لیکن اس نے جواب کیا دیا اپنی ٹکٹکی باندھنے کی وجہ کیا بتائی۔

گفت ہنگام طلوع خاور است
آفتاب تازہ او را در بر است
رستخیزے در کنارش دیدہ ام
لرزہ اندر کوہسارش دیدہ ام
عرشیاں را صبح عید آں ساعتے
چوں شود بیدار چشم ملتے!

''وشوامتر'' کی زبان سے یہ پیغام مشرق اور بالخصوص ہندوستان اور اہل ہند کے نام لانا اقبال ہی کا حصہ تھا۔

اس کے بعد وادی یرغمید میں شاعر اور اس کا راہنما داخل ہوتے ہیں۔ اس وادی کا نام فرشتوں کی زبان میں وادی ''طواسین'' ہے۔ منصور حلاج کی مشہور تصنیف کتاب الطواسین فرانس میں طبع ہو چکی ہے۔ طس قرآن کریم کی اس سورت کا نام ہے قرآن کے حروف مقطعات میں سے ہے۔ منصور حلاج کی جدت کوشی کا یہ کمال تھا کہ اس نے اپنی تصنیف کے مختلف حصوں کو بجائے ابواب میں تقسیم کرنے کے ان کا نام طواسین (طس کی جمع) رکھا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی مصنف لفظ ''لوح'' یا ''منزل'' بمعنی باب یا فصل استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ پاس ادب مانع تھا کہ پیغمبروں سے بالمشافہ ملاقات کی جاتی۔ اس لئے شاعر نے اس امر پر اکتفا کی ہے کہ بجائے ان سے مل کر گفتگو کرنے کے ان کی ''طواسین'' یا بالفاظ دیگر الواح فلک قمر پر پڑی ہوئی دکھائی ہیں۔ جن کے کتبوں میں

سے ہر ایک کی تعلیم کا اہم پہلو واضح ہو گیا ہے۔ طواسین رسل میں چار طواسین شامل ہیں۔ طاسین گوتم، جس کا عنوان ہے ''توبہ اوردن زن رقاصہ عشوہ فروش'' طاسین زرتشت جس کا عنوان ہے ''آزمائش کردن اہرمن زرتشت را'' طاسین مسیح (رویائے حکیم طالسطائی اس میں دکھایا گیا ہے کہ مغربیوں نے دور حاضرہ میں عیسائیت کا کیا حال کیا) طاسین محمدؐ (نوحہ روح ابو جیل در حرم کعبہ، کعبہ کے بتخانہ سے حرم بن جانے پر ابو جہل کا یہ نوحہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے)

فلک عطارد:

زاں بعد شاعر اور اس کا راہنما فلک عطارد میں پہنچتے ہیں۔ یہاں جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا کی روحوں سے ملاقات ہوتی ہے۔ افغانی سے تعارف کراتے وقت رومی بتاتا ہے کہ میرے ساتھی کا نام ''زندہ رود'' ہے (Living Stream) زندہ رود سے افغانی اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی موجودہ حالت کے متعلق سوال کرتا ہے۔ زندہ رود جواب دیتا ہے پھر افغان اپنے جواب میں دین و وطن کا صحیح مفہوم بتاتا ہے۔ اشتراکیت وملوکیت دونوں طلسموں کا پردہ چاک کرتے ہوئے کہتا ہے۔

زندگی ایں را خروج آں را خراج

در میان ایں دو سنگ آدم زجاج

سعید حلیم پاشا مشرقیوں اور مغربیوں کے فطری اختلاف پر رائے زنی کے بعد کہتا ہے کہ افرنگیوں کا شعلہ اب ''نم خوردہ'' ہو چکا ہے ان کی آنکھ اگرچہ تیز ہے لیکن دل مردہ ہے۔ مصطفی کمال پاشا نے جو یورپ کی نقالی شروع کی ہے اس سے ترک اپنے اصلی مرکز سے ہٹ جائے گا۔ ترک اس وقت جو اپنی طرف سے نئی باتیں پیدا کر رہے ہیں۔ وہ وہی ہیں جو یورپ میں پرانی ہو چکی ہیں۔

سعید حلیم کا ترک کے نام پیغام یہ ہے۔

چوں مسلماناں اگر داری جگر

در ضمیر خویش و در قرآن نگر

صد جہان تازہ در آیات اوست

عصرہا پیچیدہ در آنات اوست

یک جہانش عصر حاضر رابس است

گیر اگر در سینہ دل معنی بس است

بندۂ مومن ز آیات خدا است

ہر جہاں اندر بہر اوچوں قباست

چوں کنی گر دو جہانے در برش

می دہد قرآں جہانے دیگرش

زندہ رود کو شکایت ہے کہ قرآن تو موجود ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ عالم قرآن کہاں ہے اس کا جواب افغان کی طرف سے آتا ہے۔

محکمات عالم قرآنی کی حقیقت بیان کی جاتی ہے:

۱۔ خلافت آدم، ۲۔ حکومت الٰہی، ۳۔ ارض ملک خدا است، ۴۔ حکمت چیز کثیر است

یہ چار باتیں بطور محکمات واصول قرآنی کے پیش کی گئی ہیں۔ طوالت کا خوف ہے کیونکہ یہ مضمون اپنی حد سے پہلے ہی زیادہ طویل ہو گیاہے۔ ورنہ ان میں ہر مبحث ایک مستقل دفتر تنقید و تشریح کا مقتضی ہے۔

اس کے بعد افغانی نے ملت روسیہ کے نام پیغام دیاہے اس پیغام کی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اس سے بہتر کچھ نہیں کہ چند اشعار نقل کر دیئے جائیں۔

توکہ طرح دیگرے انداختی

دل زدستور کہن پرداختی

ہمچو ما اسلامیاں اندر جہاں

قیصریت را شکستی استخواں

تابر افروزی چراغے در ضمیر

عبرتے از سر گذشت ما بگیر

پائے خرد محکم گذار اندر نبرد

گرد ایں لات وہبل دیگر مگرد

کردۂ کابہ خدادنداں تمام

بگذر از لا جانب الا خرام

اے کہ میخواہی نظام عالمے

جستہ اورا اساس محکمے؟

داستان کہنہ شستی باب باب

فکر را روشن کن از ام الکتاب

باسیہ فاماں ید بیضا کہ دادا؟

مژدہ "لا قیصر و کسریٰ" کہ داد؟

جز بقر آں ضیغمی روباہی است

فقر قرآن اصل شاہنشاہی است

اس کے بعد اشتراکی نقطہ نگاہ سے قرآن کے چند حقائق بیان فرمائے ہیں۔ ملوک کی قریہ ویرانی، ربوا کی حرمت، الارض للہ لن تنالو البر حتی تنفقوا کی تشریح کی ہے۔

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغام مرگ

دستگیر بندۂ بے ساز و برگ

ہیچ خیر از مردک زرکش مجو

لن تنالوا البر حتی تنفقوا

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!

کس نداند لذت قرض حسن!

از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ

آدمی ورندہ بے دندان و چنگ

رزق خود را از زمیں برون رواست

ایں "متاع" بندہ و ملک خداست

بندۂ مومن امیں، حق مالک است

غیر حق ہر شے کہ ایں ہا لک است

رایت حق از ملوک آمد نگوں

قریہ ہا از دخل شاں خواروو ں

آب و زمان ماست از یک مائدہ

دودہ آدم "کنفس واحدہ"

فلک زہرہ:-

شاعر کی "جان پاک" "سو" سے "بے سوئی" کی طرف پرواز پر پرواز کئے جاتی ہے۔ ایک جہان میں مر کر دوسرے میں جانکلنا دوسرے سے گذر کر تیسرے میں جانکلنا اس کی فطری بے تابیوں کا خاصہ ہے۔ اور آخر اس کا منتہا کیا ہے۔

می کند پرواز در پہنائے نور

مخلبش گیرندہ جبریل وجور!

تاز "مازاالبصر" گیرد نصیب

بر مقام "عہدہ" گردد رر قیب

مقام "عبدہ" ہر "رقابت" کا مسئلہ کسی شاعر کے اس نعتیہ شعر سے زیادہ کہیں حل نہ ہوا ہو گا۔

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات

تو عین ذات می نگری در تبسمی

سواد زہرہ میں جو منظر سب سے پہلے آتا ہے۔ وہ خدایان اقوام کہن کی مجلس ہے۔ بعض نام حقیقی ہیں اور بعض شاعر کی طباعی نے خود تراش لئے ہیں۔

بعل دمر دوخ ویعوق ونسر وفسر

رمخن ولات ومنات وعسر، غسر

ان میں سے ہر ایک اپنے از سر نو زندہ ہو جانے کے امکان پر ثبوت لا رہا ہے اور اس بات سے کہ یہ عہد پھر بے "خلیل" اور بے بت شکن ہو چکا ہے۔

بر قیام خویش می آورد دلیل

از مزاج ایں زمان بے خلیل

بعل ایک نغمہ گاتا ہے۔ یہ نغمہ نوحہ روح ابو جہل (طاسین محمدؐ در فلک قمر) کا جواب سمجھنا چاہئے تبخانہ کعبہ کو "حرم" میں متبدل دیکھ کر ابو جہل چلا اٹھا تھا۔

سینہ ما از محمدؐ داغ داغ

از دم او کعبہ را گل شد چراغ

از ہلاک قیصر و کسرے سرود

نوجواناں راز دست مار بود

اسلام کی موجودہ پستی کی کوئی حد ہے! ابو جہل کائنات سے اپیل کرتا ہے (خدا تو اس کا کوئی ہے نہیں) کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بدلہ لے۔ اس لئے کہ بقول ابو جہل

مذہب او قاطع ملک و نسب

از قریش و منکر از فضل عرب

در نگاہ او یکے بالا و پست

با غلام خویش بر یک خواں نشست

قدر احرار عرب نشناختہ

با کلفتان حبش در ساختہ

احمراں با اسوداں آمیختند

آبروئے دو دمانے ریختند

بعل کا نغمہ امید کا نغمہ ہے "بت" نے جہاں بالواسطہ "بت پرستی" کو تسلی دی ہے۔ وہاں اپنے ساتھی بتوں کے سامنے اعلان کیا ہے کہ "اب آدم پھر مجوس پرستی کی طرف راغب ہو چکا ہے۔ وقت ہے کہ اٹھو اور پھر دنیا کو اپنا پرستار بنا جاؤ۔ اس مادہ پرستی کے زندہ کرنے کے لئے وہ قدرتاً افرنگیوں کا ممنون ہے۔ کہتا ہے"

زندہ باد افرنگی مشرق شناس

آنکہ مارا از لحد بیروں کشید

پھر زیادہ اچھا موقعہ اس لئے پیدا ہو گیا ہے کہ ابراہیم کا قائم کردہ حلقہ توحید و وحدت ٹوٹ چکا ہے آل ابراہیم "بے ذوق است" ہے۔ ملک و نسب کے نئے نصب العینوں نے دین و مذہب کو شکست دے دی ہے۔ محمدؐ کا مذہب سب سے بڑا پہاڑ تھا جو ہمارے دستہ میں حائل تھا۔ لیکن اب اس وقت ہزاروں بولہب محمدؐ کے چراغ کو پھونکوں سے بجھانے کے درپے ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد مسافر فرعون اور لارڈ کچنر کی روحوں کو دیکھتے ہیں۔ لیکن کہاں؟ زہرہ کے ایک دریا کی تہہ میں۔ اس لئے کہ دونوں کا انجام سمندر کی تہہ میں غرقابی تھا۔ سمندر کے اندر یہ مجلس اس طرح منعقد ہوتی ہے۔ رومی اقبال کو کہتا ہے کہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے اور ڈر نہیں پیچھے چلتا آ۔ میں موسیٰ کی طرح سینہ دریا کو چیرنا اور اسکے ضمیر کے اندر داخل ہو جانا جانتا ہوں۔ دونوں سمندر میں قدم رکھتے ہیں تو سمندر اپنا سینہ کھول کر ان کو اندر آنے دیتا ہے۔ اس حیرت انگیز منظر کی تصویر شاعر نے اس طرح کھینچی ہے۔

بحر، سینہ خود راکشود

یاھوابود وچو آبے دانمود

قعر او یک وادی بے رنگ وبو

وادی تاریکی او توبتو

پیر رومی سورۂ طٰہٰ سرود

زیر دریاماہتاب آمد فرود!

کوہائے شستہ وعریان و سرد

اندراں سرگشتہ وحیراں دو مرد

اقبال کے اس تخیل کی مثال اور ڈینٹے ابن اعرابی بلکہ دنیا کے تمام شعراء کے کلام میں مشکل سے ملے گی۔

فرعون اور کچنر حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کو تکتے رہ جاتے ہیں۔ آخر فرعون مسافروں سے پوچھتا ہے کہ یہ سحر یہ صبح، یہ ظہور یہاں سمندر کی تہہ میں کیسے پیدا ہو گئے۔ رومی دو لفظوں میں اس کی آنکھیں کھول دیتا ہے اور حقیقت منکشف کر دیتا ہے۔ فرعون کے سوال کا جواب صرف یہ ایک شعر ہے۔

ہر چہ پنہاں است ازو پیدا ستے

اصل ایں نور از ید بیضا ستے!

فرعون آخری وقت سمندر میں ہاتھ پاؤں مار کر غرق ہونے سے پہلے اپنے ایمان کا اعلان کر کے رخصت ہوا تھا۔ ''امنت برایت موسیٰ وہارون'' مسلمانوں کا عام عقیدہ ہے کہ یہ ''ایمان بالباس'' تھا اور قابل قبول نہ تھا۔ تاہم یہ حقیقت شاعر کے سامنے ہے۔ فرعون کے لب پر رومی کے یہ الفاظ سن کر افسوس و تاسف کے کلمات جاری ہو جاتے ہیں اور پکار اٹھتا ہے۔

آہ فقد عقل و دیں در باختم

دیدم وایں نور را نشنا ختم

اپنے انجام اور ملوکیت و فرعونیت کے انجام پر آٹھ آٹھ آنسو رو کر کہتا ہے۔

چیست تقدیر ملوکیت؟ شقاق

محکمی جستن ز تدبیر نفاق

ملوکیت جو تدبیر نفاق کی پالیسی پر اپنی محکمی کا اساس رکھتی ہے۔ اس کا انجام سوائے تباہی و بربادی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

تہ قلزم، موت کے دن سے آج تک فرعون یہ حسرت لئے بیٹھا ہے۔

باز اگر بینم کلیم اللہ را

خواہم ازوے یک دل آگاہ را

اس جواب کے بعد کچنر فرعون سے مخاطب ہوتا ہے۔ مصر میں زمانہ حال میں آثار قدیمہ کی جو کھدائی ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ اس سے اقوام پارینہ کے حالات وواقعات کا منکشف کرنا مقصود ہے۔ فرعون اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میری قبر تو علم و حکمت کی اغراض سے کھودماری۔ لیکن مہدی سوڈانی کی تربعت کے اندر کیا تھا کہ تونے اپنے زمانے میں اس کو کھدواڈالا؟ اس کا جواب کیا ہو سکتا تھا۔

دفعتہ گلشن جنت کی طرف درویش سوڈانی کی روح پرواز کرتی ہوئی اس بزم میں آنکلتی ہے اور سب سے پہلے کچنر سے مخاطب ہوتی ہے۔

گفت "اے کشنر اگر وادی نظر

انتقام خاک درویشے نگر!

آسماں خاک ترا گورے نداد

مر قدے جز دریم شورے نداد"

اس تمام باب میں سب سے اہم وہ پیغام ہے جو مہدی سوڈانی نے اقوام عرب وافریقہ کے نام دیا ہے۔ افسوس ہے کہ یہاں سوائے چند اشعار کے زیادہ درج نہیں کیا جاسکتا۔

گفت "اے روح عرب بیدار شو

چوں نیاگاں خالق اعصار شو

اے فواد اے فیصل اے ابن سعود

تا کجا بر خویش پیچیدن چو دود

زندہ کن در سینہ آں سوزے کہ رفت

در جہاں باز آور آں سوزے کہ رفت

خاک بطحا خالدے دیگر بزائے

نغمہ توحید را دیگر سرائے

اے نخیل دشت تو بالندہ تر

بر نخیز و بر تو فاروقے دگر؟

اے جہان مومنان مشک فام

از تو می آید مرا بوئے دوام

زندگانی تا کجا بے ذوق سیر

تا کجا تقدیر تو در دست غیر

بر مقام خود نیائی تا بکے

استخوانم در پیے نالد چو نے

از بلا ترسی؟ حدیث مصطفی ست

مرد را روز بلا روز صفاست"

فلک مریخ:

فلک مریخ میں شاعر کے تخیل نے اس ستارے کو ایک فلاسفر دکھایا ہے جس کا نام حکیم مریخی ہے۔ وہ انجم شناس واقع ہوا ہے۔ مسافروں کی دنیا کے حالات سے آگاہ ہے بلکہ کسی زمانہ میں اس کی سیر کر چکا ہے۔ ایران و فرنگ دیکھ چکا ہے۔ "نیل" و رود گنگ کے ملکوں سے خوب واقف ہے۔ بہر تحقیق فلزات، زمین، امریکہ، جاپان، چین سب کی سیاحت کر چکا ہے۔ مسافروں کو بتاتا ہے کہ جہاں تم پہنچے ہو یہ شہر مرغدین کا نواح ہے۔ وہ خود یہاں کیوں پیدا ہوئے یہ تمام حالات بتائے جاتے ہیں۔ شہر مرغدین کے حالات میں حکیم مریخی کہتا ہے۔

کس دریں جا سائل و محروم نیست

عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

یہاں زندہ رود یعنی (اقبال) اور حکیم مریخی میں تقدیر و تدبیر کے مسئلہ پر مکالمہ ہوتا ہے۔ زندہ رود تقدیر کے متعلق اپنا نیا نقطہ خیال واضح کرتا ہے۔ جس مذہب نے "تقدیر" کو قناعت و سکون اور بے علمی سمجھ کر بطور عقیدہ کے دل میں جگہ دے لی ہے۔ اس کے متعلق کہتا ہے۔

وائے آں دینے کہ خواب آرد ترا

باز در خواب گراں بارد ترا

سحر و افسوں است یا ایں است ایں

حب افیون است یا ایں است ایں

تذکیر منبیہ مریخ:

فلک مریخ میں ہزاروں کاخ گذرنے کے بعد مسافر ایک جگہ دیکھتے ہیں۔ ایک شہر ہے اور اس کے باہر ایک وسیع و فراخ میدان ہے۔ وہاں مرد و زن کا ہجوم ہے۔ گویا ایک عام جلسہ ہے جہاں ایک عورت تقریر کر رہی ہے۔ اس کا چہرہ بظاہر خوب چمکتا دمکتا ہے۔ لیکن اس کے تن میں نور جان پیدا نہیں۔ اس کے الفاظ بے سوز ہیں اور اس کی آنکھ بے نم یعنی سرود آرزو و محبت سے یکسر نامحرم ہے۔ اس کا سینہ جوش جوانی سے خالی اور اس کا ''آئینہ'' کورد ''صورت ناپذیر'' واقع ہوئی ہے۔ یہ فیشن و آزادی کا دلدادہ محبت اور آئین محبت سے قطعاً بے خبر ہے۔ مراد یہ کہ مرد کی صحبت سے گریزاں ہے اور اس سے ازدواج کے تعلق کو برا سمجھتی ہے۔ یہ وہی رنگ ہے جو اب یورپ کی عورتوں کی تقلید میں مشرق کی عورتیں بھی اپنے اوپر وارد کرنے کی آرزومند ہو رہی ہیں۔ حکیم نکتہ داں مسافروں کو بتاتا ہے کہ یہ نوجوان لڑکی اہل مریخ سے نہیں بلکہ فرزمرز جیسے شاعر نے مریخ کا آمر کردار شب بیان کیا ہے اسے یورپ سے اٹھا کر یہاں لے آیا ہے تاکہ مریخ کی

1۔ اہل افریقہ

عورتوں کے دل میں بھی اس کی تقلید کی خواہش پیدا کر کے انہیں بگاڑوے فرزمرز نے ''کار نبوت'' (تبلیغ) میں اسے پختہ کر دیا ہے لیکن وہ خود اب یہ دعویٰ کرتی ہے کہ میں آسمان سے بطور تنبیہہ نازل ہوئی ہوں اور میری دعوت ''دعوت آخر زمان'' ہے۔ اس کا خاص فن کیا ہے۔

از مقام مرد و زن دارو سخن

فاش تر می گوید اسرار بدن!

یہ فرنگی آزاد لڑکی جو اس دنیا کی لڑکیوں کو نئے آزادی کے رستہ پر لگا کر اب مریخ میں ''کار نبوت'' کے فرائض ادا کرنے جا پہنچی ہے۔ وہاں کی عورتوں کو اپنی سحر پرور تقریر میں مردوں سے باغی ہو جانے کی تلقین کرتی ہوئی کہتی ہے۔

اے زناں! اے مادراں! اے خواہراں

زیستن تا کے مثال ''دلبراں 1!''

دلبری اندر جہاں مظلومی است

دلبری محکومی و محرومی است!

دردو گیسو شانہ گردانیم ما

مردرا نخچیر خود دانیم ما

مرد صیادی بہ نخچیری کند

گرد تو گردد کہ زنیری کند!

ہمبر ادبودن آزار حیات

وصل اوزہر و فراق اونبات

پھر ایک نہایت دلچسپ انداز میں شادی سے بے نیازی اور ماں بننے کی مصیبت سے جو حیلے آج کل یورپ میں اختیار کئے جارہے ہیں۔ ان کا نقشہ کھینچا ہے اور ان خیالات کی بہبود گی کا راز رومی کی زبان سے ظاہر کیا ہے۔

فلک مشتری:

فلک مشتری میں ارواح جلیلہ، منصور حلاج، غالب اور ایران کی مشہور شاعرہ قرۃ العین ملتی ہے۔ نوائے حلاج، نوائے غالب، نوائے طاہرہ سننے کے بعد زندہ رود اپنی بعض مشکلات ان ارواح بزرگ کے سامنے پیش کرتا ہے اور ان کے جواب سنتا ہے۔ مثلاً حلاج سے سوال ہوتا ہے۔

از مقام مومناں دوری چرا؟

یعنی از فردوس مہجوری چرا؟

حلاج کے جواب میں جنت کی حقیقت پر شاعر اپنے تمام خیالات کو واضح کر جاتا ہے۔

جنت ملامے و حور و غلام

جنت آزاد گاں سیر دوام

یہ الفاظ منصور کی زبان ہی کو سزاوار تھے۔

عشق ما از شکوہ ہا بیگانہ ایست

گرچہ اور اگر یہ مستانہ ایست

ایں دل مجبور ما مجبور نیست

نادک ما از نگاہ حور نیست

1۔ مرد کی بیوی بن کر رہنا۔

آتش مارا بیفزاید فراق

جان مارا ساز گار آید فراق

بے خلشہا زیستن، نازیستن

باید آتش در تہہ پازیستن!

بعض دوسرے سوالات کے جواب میں منصور تقدیر کی حقیقت پر بحث کرتا ہے اور "اناالحق" کہنے کی وجہ سے اسے کیوں دار پر لٹکایا گیا۔ اس کی تشریح کرتا ہے ایک لطیف پیرایہ میں شاعر بتا گیا ہے کہ منصور کا "اناالحق' کہنا کفر نہ تھا۔ بلکہ "خودی" کے مظہر اتم ہونے کا مظاہرہ تھا۔ منصور "خودی" کے حقائق بیان کرتا ہے اور شاعر کو متنبہ کرتا ہے کہ دیکھ تو بھی ان ملاؤں کے نزدیک کم وبیش اسی گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے جس کا میں ہوا تھا۔

آنچہ من کردم تو ہم کردی بترس!

کیونکہ جس طرح میں نے اپنے سینہ کی بانگ صور یعنی آوازہ "اناالحق" سے ایک ایسی ملت کو جو "قصد گور" کر چکی تھی از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی اور اس کا بدلہ انہوں نے مجھے سولی پر لٹکا دیا اور الٹا کافر کہا اسی طرح تو نے بھی وہی حرکت کی ہے۔

محشرے بر مردہ آوردی تبرس!

غالب سے پہلے اس کے ایک شعر کی شرح پوچھی ہے۔ یہ شعر دراصل اردو میں ہے اور از بسکہ یہ اردو غالب کی کہی ہوئی ہے۔ اس لئے محض الفاظ ردیف کو فارسی میں بدل لینے سے فارسی شعر بن گیا ہے۔

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ

اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے؟

سوختہ کیا ہے کو "سوختہ چیست" بنا کر شعر فارسی میں بدل لیا گیا ہے۔ اس شعر کے مہوم پر بعض ادبی رسالوں اور کتابوں کو کچھ عرصہ ہوا بحث چھڑی تھی۔ معارف کے کسی نمبر میں بھی ایک صاحب کے مضمون میں اس شعر پر بحث تھی۔ وہیں سے یہ خیال پیدا ہوا کہ اس شعر کی تشریح خود غالب کی زبان سے "جاوید نامہ" میں لکھی جائے۔ اس تشریح پر بحث مضمون کی غیر ضروری طوالت کا باعث ہے اس لئے اس میں دلچسپی رکھنے والے قارئین اصل کتاب میں پڑھ سکتے ہیں۔

اس سے آگے مسئلہ "رحمتہ للعالمین" پر بحث ہے۔ غالب نے اس مسئلہ پر لکھتے ہوئے اپنی ایک مثنوی میں یہ شعر لکھا ہے۔

"ہر کجا ہنگامہ عالم بود

رحمۃً للعالمینے ہم بود"

جاوید نامہ میں اس نکتہ پر جو مکالمہ غالب اقبال کے درمیان ہوا ہے۔ اس میں رحمتہ اللعالمین کے انتہائی حقائق و اسرار واضح کر دیئے گئے ہیں۔ غالب ایک طرح اس رمز کی صحیح حقیقت کو وا کرنے سے عاجز آ جاتا ہے۔ آخر منصور اس راز سے پردہ اٹھاتا ہے۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو

آنکہ از خاکش بر دید آرزو

یا زنور مصطفیٰ اور ابہاست

یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

اس پر ''زندہ رود'' مستفسر ہوتا ہے کہ پھر اس ''جوہر'' کا ''سر'' کیا ہے جس کا نام مصطفی ہے۔ وہ حقیقت میں ''آدم'' ہے یا کوئی ''جوہر'' ہے جو گاہے گاہے ''وجود'' میں آ جاتا ہے۔ حلاج کے جواب نے اس نکتہ کی سات دقیق کنہوں کو طشت از بام کرنے کی کوشش کی ہے۔ ''عبد'' (آدم) کے کیا معنی ہیں اور ''عبدہ'' یعنی اللہ کا عبد کیا شے ہے یہ اپنی قسم کی پہلی بحث ہے جو جاوید نامہ میں آئی ہے۔ ''رحمتہ العالمین'' کا نکتہ سمجھا چکنے کے بعد حلاج اس صوفی پر افسوس ظاہری ہا دہو میں مشاق ہے۔ لیکن ''حکم حق'' پہلے اپنی جان پر وارد کرنا اور پھر اسے جہان میں جاری کرنا نہیں جانتا۔

وائے درویشے کہ ہوئے آفرید

باز لب بربست و دم در خود کشید

خانقاہے جست و از خیبر رمید

راہبی در زید و سلطانی ندید!

موجودہ زمانے کے صوفی کو خطاب ہے۔

نقش حق داری؟ جہاں نخچیر تست

ہم عناں تقدیر با تدبیر تست

عصر حاضر باتو می جوید ستیز

نقش حق بر لوح ایں کافر بریز!

یہ بحث ذرا طویل ہے کہ نقش حق جہان پر کس طرح وارد کیا جاتا ہے۔ ''زور دلبری'' سے یا ''زور قاہری'' سے؟

اس بحث کے اختتام پر ابلیس نمودار ہوتا ہے جسے شاعر ''خواجہ اہل فراق'' کا نام دیتا ہے۔ ''نالہ ابلیس'' میں ابلیسیت کو جو صدمہ ''آدمیت'' نے پہنچایا ہے اس کا گلہ ہے۔ ابلیس روتا ہے کہ موجودہ ''ابن آدم'' تو میرا کوئی شکار ہی نہیں۔ اگر مجھے اتنا بڑا ''ابلیس'' بنانا

تھا تو پھر میرا ''منکر'' بھی کوئی ایسا بنایا ہوتا جو میری گردن توڑتا۔ یہ آدم کیا کہ جس کو میں جس طرف چاہتا ہوں پیچھے لگائے پھرتا ہوں۔ خدا سے ابلیس کی آخری التجا یہ ہے۔

اے خدا ایک زندہ مرد حق پرست

لذتے شاید کہ یابم در شکست!

فلک زحل:

فلک زحل میں ایک خاص شاعرانہ پیرایہ میں ہندوستان کی بعض گذشتہ اور موجودہ سیاسیات زیر بحث آتی ہیں۔ فلک زحل کو شاعر نے ان ارواح رذیلہ کا مقام قرار دیا ہے۔ جنہوں نے ملک وملت سے غداری کی اور دوزخ نے بھی ان کو مرنے کے بعد قبول نہ کیا۔ اس ''منزل ارواح بے یوم النشور'' میں دو ''طاغوت'' دکھائے گئے ہیں۔ جنہوں نے ملک وملت سے بیوفائی کی اور اپنے تن کی خاطر ملت کو قربان کر دیا۔ وہ دو ''طاغوت'' کون ہیں۔

جعفر از بنگال وصادق از دکن

ننگ آدم، ننگ دیں، ننگ وطن!

اول الذکر نے نواب سراج الدولہ سے غداری کی اور موخر الذکر نے سلطان ٹیپو سے۔ دونوں کی غداری کا نتیجہ کیا ہے۔ یہ کہ اس پاک سرزمین میں غلامی کا بیج بویا گیا۔

جس عذاب میں یہ دونوں غدار مبتلا ہیں اس کا ہولناک نقشہ کھینچنے کے بعد شاعر ''روح ہندوستان'' کو بصورت ''حور پاک ناد'' آسمان کے پردوں سے باہر آتے دکھاتا ہے اور اس کے نالہ وفریاد کی تصویر اپنے خاص انداز میں پیش کرتے ہوئے ہندوستان کی موجودہ غلامی کے اسباب اور اس کے موجودہ سیاسی حربوں کے حسن وقبح پر شاعرانہ انداز میں بحث کرتا ہے۔

آخر میں وہ انتباہ ہے جو اس زمانے کے ''غداران ملک وملت سے ہوشیار رہنے کے متعلق ہندوستان کو کیا گیا ہے۔ ہندوستان کی تقدیر میں اس وقت تک غلامی باقی ہے جب تک یہ ''جعفر'' اس کے اندر پیدا ہوتے رہیں گے۔ کس طرح زمانہ ایک نئی قسم کے ''جعفر'' پیدا کر لیتا ہے۔ نہایت لطیف انداز میں بیان کیا گیا ہے یہ نکتے سمجھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔''

کے شب ہندوستاں آید بروز!

مرد جعفر زندہ روح او ہنوز!

تا ز قید یک بدن دامی رہد

آشیاں اندر تن دیگر نہد

گاہ اورا ہاکلیا ساز باز

گاہ پیش دیریاں اندر نیاز

دین او آئین او سوداگری است

عنتری اندر لباس حیدری است

پیش ازیں چیزے دگر مسجود او

در زمان ما وطن معبود او

ظاہر اہ از غم دیں دردمند

باطنش چوں دیریاں زنار بند

جعفر اندر ہر بدن ملت کش است

ایں مسلمانے کہن ملت کش است

جعفر زمانہ حال کی منافقت کا نمایاں ترین نشان یہ بتایا ہے (اور نہ معلوم وہ کون ہے!)

خند خنداں است و با کس یار نیست

ما را گر خنداں شو و جز مار نیست

از نظافش وحدت قومے دو نیم

ملت او از وجود او لئیم

قومی وحدت کو دو نیم کرنے کے ذمہ دار آج ایک نہیں سینکڑوں ہیں۔

آنسوئے افلاک:

آخری پرواز سیر حدود افلاک سے پرے جانے کے لئے ہے لیکن پیشتر اس کے کہ وہاں پہنچیں ایک اور جہان دیکھا گیا ہے جہاں ایک مرد جس کے لب پر ایک دردمند صدا جاری ہے نظر آتا ہے۔ رومی بتاتا ہے کہ یہ شخص "حکیم المانوی نٹشا" ہے۔ نٹشا کے متعلق مدت ہوئی اقبال کہہ چکا ہے۔

قلب او مومن دماغش کافر است

اب بتایا کہ اس کی حقیقت یہ تھی کہ وہ بھی اپنی وضع کا منصور حلاج تھا جس کو اس کے ملک کے لوگوں نے نہ پہچانا۔ منصور کی جان اگر ملانے لی تو نٹشا 1 کی طبیعت نے اگر یورپ میں کوئی اس مجذوب کی واردات کو سمجھنے والا ہوتا تو شاید وہ گم گشتہ نہ ہونے پاتا اگر

عیسائیت کا پردہ چاک کرنے کے بعد وہ توحید کی طرف راہ نہ پاسکا تو اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ اس کو اس رستہ پر لگانے والا کوئی نہ تھا۔ اس کے افکار نے جہاں یورپ کے مروجہ معتقدات کے طلسم توڑ ڈالے وہاں وہ خود بھی ان میں گھر کر رہ گیا۔ تا آنکہ

مستی دہنر زجاجے را شکست

از خدا ابرید وہم از خود گسست

1۔ نٹشا کا طبیبوں نے دیوانہ قرار دیا تھا۔ اقبال اسے مجذوب بتاتا ہے۔ برنارڈ شا گو اس حقیقت سے واقف نہیں مگر وہ بھی نٹشا کو دیوانہ کہنے سے انکاری ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا نے اسے دیوانہ کہنا شروع کر دیا۔ ایڈیٹر

ادبہ لادر ماند وتا الا آنرفت

از مقام عبدہ ے بیگانہ رفت

اقبال کا خیال ہے کہ شاید اگر مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کے زمانہ میں پیدا ہوتا اور اس مرد کامل کی صحبت اسے کبھی نصیب ہو جاتی تو وہ منزل مقصود کو پہنچ جاتا۔

کاش بودے اور زمان احمدے

تا رسیدے بر سرود سرمدے

جس قدر می والف رانی "مجذوبیت" کی قدیم اور بے پناہ رو کو "سیوک" میں بدلنے میں کامیاب ہوا شاید اور کوئی مجدد یا ریفارمر اس بات میں اتنا کامیاب نہ ہوا ہو گا۔

حرکت بجنت الفردوس:

اب مسافر کائنات کی حد سے باہر چلے جاتے ہیں اور جہان بے حیات میں قدم رکھتے ہیں اس جہان بے حیات کے سلسلہ میں پھر زمان و مکان کے مباحث نئے نئے رنگ میں پیش کئے ہیں۔ دوزخ و بہشت کی حقیقت رومی کی زبان سے ان الفاظ میں پیش کی ہے۔

گفت رومی "اے گرفتار قیاس

در گذر از اعتبارات حواس

از تجلی کارہائے خوب وزشت

می شود آں دوزخ ایں گرد بہشت"

اے کہ بینی قصرہائے رنگ رنگ

اصلش از اعمال دنے از خشت وسنگ

آنچہ خوانی کوثر و غلمان و حور

جلوۂ ایں عالم جذب و سرور

زندگی ایں جاز دیدار است وبس

ذوق دیدار است و گفتار است وبس

قصر شرف النسائ:

سب سے پہلا قصر جو جنت میں نظر آیا وہ شرف النساء بیگم کا تھا شرف النساء نواب خان بہادر خاں کی بیٹی اور نواب عبد الصمد خاں کی پوتی تھیں۔ یہ دونوں باپ بیٹے بہادر شاہ اور شاہ عالم کے زمانہ میں یکے بعد دیگرے پنجاب کے گورنر تھے۔ اس عہد میں صوبوں کے حکمران ایک طرح خود مختار ہو چکے تھے۔ تاہم دہلی کے مغل شہنشاہ کو خراج دیا جاتا تھا اور اہم شہنشاہی فرمانوں کی تعمیل ہوتی تھی۔ یہ عبد الصمد خاں وہی ہیں۔ جنہوں نے پنجاب میں بندہ بہادر کے فتنہ کو دبایا اور اسے قید کر کے دہلی پہنچایا۔ اس زمانہ میں پنجاب کا گورنمنٹ ہاؤس وہ جگہ تھی۔ جہاں اب شہر کی شمالی جانب شالامار کو جاتے ہوئے بیگم پورہ کا گاؤں آباد ہے۔ نواب عبد الصمد خاں کی بیگم کے نام پر ہی اس جگہ کا نام بعد میں بیگم پورہ مشہور ہوا۔ نواب عبد الصمد خاں اور اس کے بیٹے نواب خان بہادر خان کی قبریں بیگم پورہ میں چار دیواری کے اندر موجود ہیں۔ اس گورنمنٹ ہاؤس کی عمارتوں کے کھنڈر اور بعض مساجد و مقابر اب تک کھڑے ہیں۔ انہیں مقبروں میں شرف النساء بیگم کا مقبرہ ہے۔ شرف النساء بیگم نے محلات شاہی کے احاطہ میں ایک چبوترہ بنوار کھا تھا۔ جس پر سیڑھی لگا کر چڑھا جاتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ ہر روز صبح کی نماز کے بعد جو تا اتار کر اس چبوترہ پر بیٹھ جاتیں اور قرآن کی تلاوت کرتیں ایک مرصع تلوار پاس ہوتی تھی جب تلاوت ختم کر لیتیں تو قرآن بند کر کے وہیں پڑا رہنے دیتیں اور اس کے ساتھ تلوار رکھ کر نیچے آجاتیں۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے اسی چبوترہ پر دفن کیا جائے اور وہ قرآن و تلوار قبر کے اوپر ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھے رہیں۔ چنانچہ وفات کے بعد انہیں وہیں دفن کیا گیا۔ پھر اس چبوترہ پر گنبد بنا۔ اب اس گنبد کو دیکھیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دو منزلہ گنبد کیوں تعمیر ہوا۔ اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ مقبرہ کی بالائی دیواروں کے باہر سرو کے درخت ہیں اور ان کی وجہ سے لوگ اب اس مقبرہ کو سرو والا مقبرہ کہتے ہیں۔

اقبال نے شرف النساء بیگم کا جو قصر جنت میں دکھایا ہے وہ لعل ناب سے تعمیر ہوا ہے جو اپنی ضوفشانی میں آفتاب سے خراج وصول کرتا نظر آتا ہے۔ جب زندہ رود رومی سے سوال کرتا ہے کہ یہ کاشانہ کس کا ہے تو موخر الذکر اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

قلزم ما ایں چنیں گوہر نہ زاد

ہیچ مادر ایں چنیں دختر نہ زاد

خاک لاہور از مزارش آسماں

کس نداند راز او را در جہاں

اس کے بعد شاعرانہ انداز میں شرف النساء کے وہی حالات بیان کئے ہیں جو اوپر درج ہوئے ماں کو جو آخری وصیت شرف النساء نے کی اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

بر لب او چوں دم آخر رسید

سوئے مادر دید و مشتاقانہ دید

گفت اگر از راز من داری خبر

سوئے ایں شمشیر و ایں قرآن نگر

ایں دو قوت حافظ یک دیگر اند

کائنات زندگی را محور اند

اندریں عالم کہ میر دہر نفس

دخترت را ایں دو محرم بود و بس

وقت رخصت با تو دارم ایں سخن

تیغ و قرآن را جدا از من مکن

مومناں را تیغ با قرآن بس است

تربت ما را ہمیں ساماں بس است

حسب وصیت تیغ و قرآن شرف النساء کی قبر پر ایک مدت تک محفوظ پڑے رہے۔ لیکن ۴۶۔۱۸۴۵ء کے ان ہنگاموں میں جو سکھوں میں خانہ جنگی کی وجہ سے لاہور میں رونما ہوئے تاریخ میں لکھا ہے کہ کسی سکھ سردار نے یہ سن کر کہ اس دو منزلہ مقبرہ میں کوئی خزانہ مدفون ہے۔ اس پر چڑھ کر اس کو کھولا اور تو کچھ ہاتھ نہ آیا۔ وہ تیغ و قرآن ضرور وہاں سے نکال لئے۔ رومی کہتا ہے۔

عمر ہا زیر ایں زریں قباب

بر مزارش بود شمشیر و کتاب

مرقدش اندر جہان بے ثبات

اہل حق راداد پیغام حیات
تا مسلماں گرد باخود آنچہ کرد
گردش دوراں بساطش در نورد
مرد حق از غیر حق اندیشہ کرد
شیر مولا روبہی راپیشہ کرد
از دلش تاب وتب سیماب رفت
خود بدانی آنچہ بر پنجاب رفت
خالصہ شمشیر و قرآن رابرد
اندراں کشور مسلمانی بمرد

جاوید نامہ میں یہی ایک مقام ہے جہاں پنجاب کے مسلمانوں کی تاریخ کا یہ ایک درد انگیز منظر پیدا ہے۔
قصر شرف النساء کی زیارت کے بعد حضرت سید علی ہمدانی اور ملا طاہر غنی کشمیری سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان مکالمات میں خطہ کشمیر کے ماضی و حاضر اور مستقبل پر ان خیالات و جذبات کا ایک سماں پیدا کیا ہے کہ اگر آج اہل خطہ ان سے روشناس ہو جائے تو زندگی کی تازہ لہر جو اب ان کی رگوں میں دوڑنے لگی ہے۔ ایک نئی سرعت و حرارت اختیار کر لے۔ کشمیر کے گذشتہ اور موجودہ پالٹکس، خطہ کے مہاراجگان کشمیر کے پاس بیچا جانا۔ یہ سب واقعات جن الفاظ میں ادا ہوئے ہیں وہ نشتر بن کر دل کے پار ہو جانے والے ہیں۔ شاعر سری نگر کے نواح میں نسیم باغ اور نشاط باغ کی سیر و سیاحت کے لطف اٹھا رہا ہے۔ ان کے جوش بہار کے منظروں سے مسرور ہو کر "بشنو از نے" کے نغمے الاپنے لگتا ہے ایک پرندہ ایک درخت کی ٹہنی پر بیٹھا ہوا اسے مخاطب کر کے کہتا ہے کہ یہ بہار اور اس کے یہ موسم ہمارے لئے جو اس خطہ کے رہنے والے ہیں پرپشہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ کیوں؟ اس لئے

لالہ است و نرگس شہلا دمید
باد نوروزی گریبانش درید!
عمرہا بالید ازیں کوہ و کمر
بستر از نور نظر پاکیزہ تر
عمرہا گل رخت بر بست و کشاد
خاک ما دیگر شہاب الدین نزاد

اس پرندہ کا نغمہ ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ ایک مرد دیوانہ جوش و خروش میں ایک نالہ مستانہ کرتا اور شاعر کو یہ کہتا سنا گیا۔

بگذر ز مادنالہ مستانہ مجوے

بگذر ز شاخ گل کہ طلسمے است رنگ و بوے

یہ جو بظاہر پرندہ درخت کی ٹہنی رتم نے گیت گاتا سنا ہے وہ دراصل غنی کی روح ہے جو مرگ آرزو کی ماتمی ہو کر پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے۔

بادصبا اگر بہ جنیوا گذر کنی

حرفے زما بہ مجلس اقوام باز گوے

دہقال و کشت و جوے و خیاباں فروختند

قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

آگے چل کر غنی شاعر کو پھر بتاتا ہے کہ اہل خطہ کے مستقبل سے ناامید نہ ہو۔

1 یکے از سلاطین مشہور کشمیر

ہاش تا بینی کہ بے آواز صور

ملتے برخیز و از خاک قبور

شہر ہا زیر سپہر لاجورو

سوخت از سوز دل درویش مرد

سلطنت نازک تر آمد از حباب

از دمے اوراتواں کردن خراب

یہ اشعار اس وقت لکھے گئے تھے جب ابھی کشمیر کے موجودہ انقلاب کا وہم بھی اہل خطہ کو نہ آیا ہو گا۔ افسوس کہ جاوید نامہ کی طباعت میں تاخیر کی وجہ سے اب آکر شائع ہوئے۔

شاہ ہمدانی کی زبان سے فقیری و شاہی اور ''تخت و تاج'' کی اصلیت کے متعلق ان گراں بہا اسرار و حقائق کا اظہار کیا گیا ہے کہ ان کا جاننا تمام اقوام کی سیاسی راہنمائی کا باعث ہو۔

اس کے بعد ہندوستان کے مشہور شاعر برتری ہری سے مل کر سوال کیا جاتا ہے کہ شعر کیا چیز ہے۔ پھر ہندوستان کے موجودہ سیاسی پیچ و تاب پر اس کی رائے دریافت کی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں برتری ہری کی ایک خاص نظم کا فارسی ترجمہ درج کیا ہے۔

کاخ سلاطین مشرق:

اس منظر سے گذر کر کاخ سلاطین مشرق میں نادر شاہ، ابدالی اور سلطان شہید (ٹیپو) سے ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ نادر ایرانیوں کی موجودہ حالت دریافت کرتا ہے۔ زندہ رود ایرانیوں کے تمام وہ موجودہ رجحانات ان کے سامنے بیان کرتا ہے۔ جو ''اسلامیت'' اور ''عربیت'' سے ہٹا کر ان کو ''ایرانیت'' کی طرف لے جارہے ہیں۔ اور افرنگی قومیت کی تقلید پر ان کو گامزن کر رہے ہیں۔

ابدالی کا پیغام ملت افغانیہ کے نام ہے۔ ایشیا میں بحیثیت قوم افغانوں کی سیاسی اہمیت پر بحث کی ہے۔ افغانوں کو نصیحت کی ہے کہ جس طرح ترک فرنگیوں کی تقلید سے اپنے آپ کو کھو رہے ہیں۔ تم ان کی پیروی سے بچنا اور اپنی خصوصیات کو محفوظ رکھنا۔ رضا شاہ پہلوی اور نادر خاں موجودہ حکمران افغانستان کو سیاسیات کے بعض اہم نکات سمجھائے گئے ہیں۔

سلطان شہید ٹیپو زندہ رود سے ہندوستان کا حال دریافت فرماتے ہیں۔ زندہ رود بتاتا ہے کہ اس وقت سول نافرمانی کا دور دورہ ہے۔

ہندیاں منکرز قانون فرنگ

در نگیرد سحر دافسون افرنگ

سلطان اپنے دکن کے حالات دریافت کرتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا دکن میں بھی کوئی آثار حیات پیدا ہیں۔ اقبال کو اپنا دکن کا سفر یاد آجاتا ہے جواب میں کہتا ہے۔

تخم اشکے ریختم اندر دکن

لالہ ہا روید ز خاک آں چمن

سرنگاپٹم میں میرے محلات کے نیچے بہنے والی کاویری پھر اپنے اندر نئی موجیں پیدا کر رہی ہے۔

رود کاویری مدام اندر سفر

دیدہ ام در جان او شورے دگر

''سلطان'' زندہ رود کو دریائے کاویری کے نام اپنا پیغام دیتا ہے۔ اس پیغام میں حقیقت حیات و مرگ اور شہادت پر حیرت انگیز خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

آخری مناظر فردوس بریں سے رخصت ہونے کے ہیں۔ حوران بہشتی شاعر سے شعر سنانے کا تقاضا کرتی ہیں۔ یہ فرمائش قبول کی جاتی ہے اور ایک غزل سے انہیں مسرور کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد عین ''حضور'' میں حاضری ہے یعنی تجلی ذات کے مباحث ایسے ہیں کہ اقبال کو انہیں لکھنے میں کبھی صبر نہیں آتا۔ علم و عشق کے حقائق، نئے الفاظ اور نئے پیرائے میں پھر پیش کر دیئے ہیں۔ لذت دیدار سے بہرہ یاب ہو کر بارگاہ سرمدی میں کچھ التجائیں کی ہیں۔ وہ التجائیں پھر وہی ہیں کہ اس سفلی خاکدان سے نکال کر کہیں اور جگہ ہم کو پھینک

ایں چنیں عالم کجا شایان تست

آب و گل دانے کہ بر امان تست

مگر ''ندائے جمال'' نے جمالی انداز میں انتباہ کیا۔

زندہ؟ مشتاق شو، خلاق شو

ہمچو ما گیر ندہ آفاق شو

در شکن آنرا کہ ناید ساز گار

از ضمیر خود دگر عالم بیار

ہر کہ اورا قوت تخلیق نیست

پیش ما جز کافر و زندیق نیست

چند نکتے ملت کے متعلق بھی سمجھائے جاتے ہیں زاں بعد ناگہاں تجلی جلال نمودار ہوتی ہے۔ تمام زمین و آسمان نور شفق میں غرق ہو جاتے ہیں اور سرخ نظر آنے لگتے ہیں۔ شاعر کلیم اللہ کی طرح جلوہ سے مست ہو کر گر پڑتا ہے۔ تاب گفتار باقی نہیں رہتی اور عالم بے چون و چند کے ضمیر سے یہ نوائے سوزناک سنتا ہے۔

بگذر از خاور و افسونی فرنگ مشو

کہ نیرزو بجوئے ایں ہمہ دیر ینہ و نو

آں نگینے کہ تو با اہرمناں باختہ

ہم بجبریل امینے نتواں کرد گردا!

اے کہ در قافلہ، بے ہمہ شو ہا ہمدرد!

از تنک جائی تو میکدہ رسوا گردید

شیشہ گرد حکیمانہ بیا شام و برو!

کتاب کا آخری حصہ، خطاب بہ جاوید پر مشتمل ہے اس میں موجودہ زمانہ کے نوجوانوں کو حالات حاضرہ کی روشنی میں نصیحتیں کی گئی ہیں۔ ہر شعر عرز جان بنانے کے قابل ہے۔ اس سے لطف اندوزی کے لئے اس کا مسلسل مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

دعاؤں کا طالب / محمد مشہود قاسمی

6اپریل-2021ء-کراچی